بچوں کی تعلیم وتربیت
اسلامی تعلیمات اور نفسیات کی روشنی میں

سعید احمد

(۴)

والدین کی محبت کی پیچیدگیاں یوں تو محبت خواہ کسی سے بھی ہو بہر حال وہ ایک ایسی وادی ہے جس کی راہیں بڑی پیچیدہ اور مشکلات سے پُر ہیں۔ پھر بچہ کے ساتھ والدین کی محبت کا مسئلہ تو اور بھی پیچیدہ اور الجھا ہوا ہے کیونکہ اس میں حسب ذیل صورتیں پیدا ہو سکتی ہے۔

(۱) والدین کو بچہ سے محبت خود اُس کے اپنے اندازہ اور توقع سے کم ہو۔

(۲) بچہ سے محبت بہت زیادہ ہو۔

(۳) ایک بچہ سے محبت بہ نسبت اس کے کسی اور بہن یا بھائی کے کم ہو۔

ان تینوں صورتوں میں نتائج وعواقب کے اعتبار سے بچہ کی آئندہ زندگی کے لئے بڑی مضرتیں اور نقصانات ہیں۔ بچہ کی آئندہ زندگی انھیں تین قسموں میں سے کسی ایک قسم کی محبت کے سایہ میں نشوونما پاتی اور پھلتی پھولتی ہے اور وہ اس سے جو نفسیاتی اور ذہنی تاثرات قبول کرتا ہے اس کی زندگی کا پورا نقشہ ان کا حامل ہوتا ہے۔ اس اہمیت کی بنا پر ہم ذیل میں محبت کی ان تینوں صورتوں پر نفسیات کی روشنی میں کسی قدر تفصیل سے گفتگو کرتے ہیں۔

ہر بچہ کی یہ طبعی خواہش ہوتی ہے کہ اس کے والدین اس کے ساتھ محبت کریں اور اُس سے اتنی دلچسپی لیں کہ اُس کی موجودگی میں وہ نہ مغموم ہوں اور نہ اس کے علاوہ کسی اور سے خواہ وہ اس کا بھائی یا بہن ہی ہو۔ اپنی دلچسپی ظاہر کریں۔ یہی وجہ ہے جیسا کہ آپ نے بارہا دیکھا ہوگا۔ ایک بچہ کسی بات پر ضد کرکے رو رہا ہے۔ آپ اُسے خاموش کرنے کے لئے کوئی چیز دینا چاہتے ہیں۔ مگر وہ نہیں لیتا۔ اب آپ فوراً اُس بچہ کے کسی بھائی یا بہن کی طرف اشارہ کرکے کہتے ہیں کہ اچھا! اگر تم نہیں لیتے ہو تو ہم اسے (اس بہن یا بھائی کو) دیئے دیتے ہیں۔ یہ سنتے ہی بچہ فوراً رونا بند کر دیتا ہے اور ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے وہ چیز آپ سے اُچک لیتا ہے۔ عام طور پر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ بچہ کی یہ حرکت اس لئے ہوتی ہے کہ وہ اس چیز کو کسی اور بہن یا بھائی کو دینا نہیں چاہتا۔ حالانکہ اس کا اصل باعث یہ ہوتا ہے کہ بچہ جب آپ کی توجہ کو اُس سے ہٹ کر کسی اور کی طرف منتقل ہوتا ہوا دیکھتا ہے تو طبعی طور پر اُسے ناگواری ہوتی ہے اور وہ اُس چیز کو آپ سے جھپٹ کر کسی اور کی طرف آپ کے التفات کے دروازہ کو بند کر دیتا ہے۔

اب اگر روزمرہ کی زندگی میں بچہ یہ محسوس کرتا ہے کہ اس کے والدین اُس سے خاطر خواہ محبت نہیں کرتے تو اس میں ایک خاص قسم کا ضغطۂ دماغی پیدا ہو جاتا ہے۔ فرائڈ نے اس کے لئے ایک خاص اصطلاح (The Oedipus Complex.) وضع کی ہے۔

یونانی روایات کے مطابق اوڈیپس لاڈس (Latus) کا بیٹا تھا جو تھیبس Thebes کا بادشاہ تھا۔ اوڈیپس کی ماں کا نام جوکاسٹا (Jocasta) تھا۔ کسی نجومی نے لاڈس کو بتایا کہ جوکاسٹا سے اس کے جو بچہ پیدا ہوگا وہی اس کی موت کا باعث ہوگا۔ چنانچہ جب اوڈیپس پیدا ہوا تو پیشین گوئی کے ڈر سے لاڈس بڑا رنجیدہ ہوا اور اس نے بچہ کو کہیں باہر بھیج دیا۔ اتفاق سے اوڈیپس کسی چرواہے کے ہاتھ لگ گیا۔ جس نے اس کو پالا پوسا اور وہ تنومند نوجوان ہو گیا۔ اس وقت اوڈیپس نہ لاڈس کو اپنا باپ جانتا تھا اور نہ جوکاسٹا اس کے علم میں اس کی ماں تھی۔ اس لاعلمی کا نتیجہ یہ ہوا

کہ ایک جنگ میں اوڈیپس نے خود اپنے ہاتھ سے اپنے باپ لائوس کو قتل کردیا اور پھر اپنی ماں جوکاسٹا سے شادی کرلی۔ دیوتاؤں نے جب قاتل کی تحقیق کی اور اصل حقیقت کا انکشاف ہوا تو اوڈیپس کی ماں جوکاسٹا نے پھانسی کا پھندا ڈال کر خودکشی کرلی اور اوڈیپس کی آنکھیں نکال لی گئیں۔

والدین اور خصوصاً باپ کی محبت کی کمی کے احساس سے بچہ میں جو ضغطۂ دماغی پیدا ہوتا ہے، مذکورہ بالا واقعہ کی مناسبت سے ہی فرائڈ اس کو اوڈیپس کی طرف منسوب کرتا ہے۔ اس ضغطۂ دماغی کے پیدا ہوجانے کے بعد بچہ کے دل میں بسا اوقات اپنے باپ کی نسبت بری خواہشات اور تمنائیں پیدا ہوتی ہیں جن کا وہ اظہار تو کیا کرتا اور ان پر خود اپنے نفس کو لعنت ملامت کرتا ہے لیکن بہرحال یہ خواہشات موجوں کی طرح اس کے دل میں اُبھرتی اور فنا ہوتی رہتی ہیں اور ان کا اثر یہ ہوتا ہے کہ بچہ میں جرم (Sense of guilt) اور احساسِ کمتری (Sense of Inferiority) پیدا ہوجاتی ہیں اور مستقبل میں اُن کا انجام بڑا تباہ کن ہوتا ہے جو بچے ان دو حسوں کے ساتھ نشو ونما پاتے ہیں وہ بڑے ہوکر برے ساتھی، بے وفا دوست اور بدقسمت شوہر یا بیویاں ثابت ہوتے ہیں۔

مشرقی تخیل کے ماتحت ممکن ہے بعض لوگوں کو بیٹے کے دل میں باپ کی نسبت بری خواہشات کے پیدا ہونے پر حیرت واستعجاب ہو لیکن حقیقت یہی ہے جو علمائے نفسیات نے بیان کی۔ اگر ہم خود اپنی ہی تاریخ پڑھیں تو اس کی متعدد شہادتیں بآسانی فراہم ہوسکتی ہیں۔ غیاث الدین بلبن کے انتقال کے بعد کیقباد کا اپنے بیٹے بغرا خان کی بے عنوانیوں پر اس کو متنبہ کرنے کے لئے دلی آنا اور بیٹے کا باپ کے خلاف صف آرا ہونا۔ اکبر کے خلاف جہانگیر کی بغاوت۔ جہانگیر کے خلاف شہزادہ خسرو کی ساز باز اور پھر شاہجہاں بادشاہ کے خلاف اورنگ زیب عالمگیر کی سعی وکوشش یہ سب دراصل اسی ضغطۂ دماغی کے مظاہر ہیں جس کو فرائڈ Oedipus Complex کہتا ہے۔

انا فرائڈ (Anna Frued) نے یہ صحیح کہا ہے کہ بچہ کا باپ کی نسبت یہ رجحانِ تنفر

زیادہ تر امیر اور دولت مند گھرانوں میں پایا جاتا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ امراء عیش پرستی میں مبتلا ہونے، نوکر چاکر کی افراط۔ اور بعض اور اسباب کی بنا پر بچہ سے ذاتی طور پر اتنا تعلق نہیں رکھتے جتنا کہ ایک غریب آدمی رکھتا ہے۔ عام طور پر ان لوگوں کے بچے آیاؤں اور گورنس کے پاس رہتے ہیں خود ماں باپ سے علاقہ کم ہوتا ہے اور غالباً اسی طرزِ معاشرت کا نتیجہ ہے کہ یورپ میں والدین اور اولاد میں محبت و اطاعت فداکاری و جاں نثاری کا وہ تعلق نہیں پایا جاتا جو مشرق کی اصل معاشرت کا طغرائے امتیاز ہے، علمائے نفسیات کے نزدیک بچہ میں ناپسندیدگی اور تنفر (Dislike and hostility) کے پیدا ہونے سے حسِ جرم پیدا ہوتی ہے اور اس کا سبب مافوق انا (Super Ego.) کا عمل ہوتا ہے۔ فرائڈ کے نزدیک بچہ جب دو برس کے قریب ہوتا ہے اس میں مافوق انا پیدا ہو جاتا ہے اور اپنا کام شروع کر دیتا ہے۔[1]

میلنی کلین (Melanie Klein) جو بچوں کی نفسیات کی ماہر خاتون ہے اس نے فرائڈ سے بھی ایک قدم اور آگے بڑھ کر کہا ہے کہ بچہ تو چھ مہینے کا بھی فوق انا کا اثر محسوس کرنے لگتا ہے۔[2]

بہرحال اس سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جو ماں باپ بچہ کی شیرخوارگی کے زمانہ میں بھی اس کے ساتھ پورا اعتنا نہ کر کے اس میں ناپسندی کا احساس پیدا کر دیتے ہیں اور اس طرح اس میں حسِ جرم کی تخلیق کا باعث ہوتے ہیں وہ سوسائٹی کے سب سے بڑے مجرم ہیں کہ وہ اپنی بے پروائی، امارت کی اکڑ، دولت و ثروت کی نمائش اور اپنی تن آسانی و عشرت کوشی کے لئے بچوں کے ذہن میں حسِ جرم کا بیج بو دیتے ہیں اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان بچوں میں آئندہ چل کر اگر کسی قوی خارجی

---

[1] Group Psychology and Analysis of the Ego. Chapter x.
[2] The Psycho- Analysis of Children. Ch. VIII

موثر کے ماتحت یکایک کوئی انقلاب پیدا نہ ہو تو یہ بڑے ہوکر خود غرض اور مطلب آشنا ہوتے ہیں۔

پروفیسر ماتصیو لکھتے ہیں۔

"جس طرح ایک بچہ اپنی جسمانی نشو ونما کے لئے اچھی خوراک اور اچھی غذا کا محتاج ہوتا ہے۔ اسی طرح وہ معاشرتی اور جذباتی ارتقا کے لئے شفقت و محبت مادری و پدری کا ضرورتمند ہوتا ہے۔ اگر بدقسمتی سے کوئی بچہ بالکل یا کسی درجہ میں اس نعمتِ عظمیٰ سے محروم رہے تو جب وہ زندگی کے میدان میں مختلف دشواریوں اور مشکلوں سے دوچار ہوتا ہے وہ اپنے آپ کو بالکل تنہا اور اکیلا پاتا ہے اب اس کا حوصلہ پست ہوجاتا ہے، اس کی تاب مقاومت اور قوتِ مقابلہ کمزور ہوجاتی ہے۔ خود اعتمادی کا جوہر اُس سے مفقود ہوجاتا ہے۔ خوف وہراس، مایوسی وناکامی اور جبن وبزدلی اس پر غالب ہوجاتے ہیں بیکسی اور بے چارگی کا احساس اسے کسی کام کا نہیں رکھتا وہ گوشہ نشینی کو ترجیح دینے لگتا ہے اور عزلت پسند بن جاتا ہے۔ خارجی دنیا سے تعلق قائم رکھنے کی اسے جرأت نہیں ہوتی وہ دوسروں کے مقابلہ میں اپنے تئیں کمزور اور حقیر و بے بس سمجھنے لگتا ہے پھر چونکہ اس قسم کے بچے یہ سمجھتے ہیں کہ زمانہ نے اُن کے ساتھ انصاف نہیں کیا۔ اس لئے بڑے ہوکر وہ خود بھی زمانہ کے ساتھ کسی قسم کا انصاف یا رواداری برتنے کی ضرورت نہیں سمجھتے۔ ایسے بچوں کو تباہ شدہ بچے Spoilt Children کہنا چاہیئے۔" [۵۱]

والدین کی غیر مساوی محبت کا اثر یہی حال بچہ کا اس وقت ہوتا ہے جب وہ یہ محسوس کرتا ہے کہ اس کے والدین اس کے کسی اور بہن بھائی سے زیادہ محبت کرتے ہیں اور اُس سے کم اس احساس کی وجہ سے

---

۵۱ The Child and his upbringing P. 100.

بچہ میں ایک قسم کا چڑچڑاپن اور احساسِ کمتری پیدا ہوجاتا ہے اور وہ بسا اوقات اپنے مزاج کی اس خاص کیفیت کو چھپانے یا اس کا بدل کرنے کے لئے بعض ایسی حرکات کرنے لگتا ہے جو دوسروں کو ناگوار ہوتی ہیں مثلاً وہ زیادہ گفتگو کرتا ہے بات بات میں دخل در معقولات دیتا ہے، ہر کام میں اور بچوں سے پیش پیش رہنے کی کوشش کرتا ہے اور اس کی ان سب حرکات کا پس منظر یہ ہوتا ہے کہ وہ دوسروں کی توجہات کا مرکز بننا چاہتا ہے اور اس طرح محبت والدین کی کمی کی مکافات کرنے کی کوشش کرتا ہے اس سلسلہ میں چند مثالیں دلچسپی کا باعث ہوں گی۔

"آمینہ ایک ذہین لڑکی تھی جب وہ اور دوسری لڑکیوں کے ساتھ کلاس روم میں استاد کے سامنے بیٹھتی تھی تو سب سے زیادہ گفتگو کرتی تھی اور استاد خواہ کوئی سوال کسی لڑکی سے پوچھے آمینہ بہر حال سب سے پہلے اس کا جواب دینے کی کوشش کرتی تھی۔ اسے اِس شوق میں اس کی بھی پرواہ نہیں ہوتی تھی کہ در حقیقت اُسے سوال کا جواب آتا بھی ہے یا نہیں۔ استاد کو آمینہ کے اس رویہ سے بڑی کوفت ہوتی تھی لیکن دراصل اس کا باعث یہ تھا کہ آمینہ دو بہنوں میں سے بڑی بہن تھی۔ اس کی جب چھوٹی بہن پیدا ہوئی تو والدین نے اس سے محبت کم کردی۔ آمینہ غریب کے لئے یہی مصیبت کم نہ تھی کہ سمند ناز پر ایک اور تازیانہ یہ ہوا کہ اس کی ماں کا انتقال ہوگیا اور باپ نے دوسری شادی کرلی۔ ان وجوہ سے آمینہ گھر کے ماحول میں جو بیچارگی محسوس کرتی تھی وہ زیادہ باتیں کر کر کے اسکول ماسٹر اور اپنی سہیلیوں کی توجہ کا مرکز بن کر اس کی مکافات کرنے کی کوشش کرتی تھی۔

اسی قسم کا ایک واقعہ ڈاکٹر واشبرون نے (Dr. Washburne.) جو ایک خاص تعلیمی اسکیم (Winnetka plan of Education.) کے ترجمان سمجھے جاتے ہیں اپنی کتاب (Adjusting the School to the Child. . . .) میں بیان کیا ہے وہ لکھتے ہیں۔

"ایک اسکول کی معلمہ جس کا نام مس نوکس Miss Knox تھا، اڈورڈ نامی ایک بچہ سے بڑی تنگ آگئی تھی۔ یہ بچہ اپنی ذہانت اور تیزی طبع کی نمائش موقع بے موقع کرتا رہتا تھا ان حرکتوں سے باز رکھنے کے لئے استانی نے اس کو مارا پیٹا۔ لاکھ سمجھایا مگر اس پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ آخر جب مس نوکس کا ناک میں دم آگیا تو ایک روز وہ اڈورڈ کے گھر پہنچ گئی، وہاں اُس نے دیکھا کہ اڈورڈ کی ماں نے اپنی تمام توجہ اور محبت اپنے ایک چھوٹے بچہ پر مرکوز کر رکھی ہے۔ باتوں باتوں میں اڈورڈ کی ماں نے مس نوکس کو بتایا کہ ابھی چند روز پہلے کی بات ہے اڈورڈ مجھ سے کہہ رہا تھا" اماں جان! کیا آپ کے پاس کوئی منٹ ایسا نہیں ہے جس میں آپ مجھ سے بھی تھوڑی بہت محبت کر سکیں" اب مس نوکس نے اڈورڈ کی ماں سے کہا کہ آپ کو بچہ کے ساتھ اپنے رویہ میں تبدیلی پیدا کرنی چاہئے ورنہ مستقبل میں اس کی زندگی تباہ ہو جائے گی۔ ماں نے اسی مشورہ پر عمل کیا اور ادہر استانی نے بھی اس کے ساتھ اپنی روش بدل دی، نتیجہ یہ ہوا کہ بچہ میں بھی تبدیلی پیدا ہوگئی اور اس کی مشکلات باقی نہ رہیں"[۱]

والدین کی مفرط محبت | اب رہی مذکورہ بالا صورتوں میں سے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ایک یہ صورت کہ والدین کو حد سے زیادہ محبت ہو تو یاد رکھنا چاہئے کہ یہ محبت بھی مختلف صورتوں اور شکلوں میں ظاہر ہوتی ہے اور ان کے اعتبار سے اس کے اثرات و نتائج بھی مختلف ہوتے ہیں۔ مثلاً اگر اس محبت کا ظہور اس طرح پر ہو کہ والدین ہر وقت بچہ کو سامنے رکھیں کسی ایک لمحہ کے لئے بھی اسے اپنے سے جدا نہ کریں، کوئی کام اسے اپنے ہاتھ سے نہ کرنے دیں، کسی بات پر اس کی روک ٹوک نہ کریں۔ اگر اُس سے کوئی غلط اور نادرست کام بھی سرزد ہو تو اسے شاباش دیں تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بچہ آرام طلب اور عیش پسند ہو جاتا ہے وہ کسی کام کو اپنی ذمہ داری پر نہیں کر سکتا۔ اُس میں کسی حادثہ یا واقعہ کے مقابلہ کرنے کی ہمت بالکل نہیں ہوتی۔ ایسا شخص محبت کا ایسا بھوکا اور ندیدہ ہو جاتا ہے کہ ہر جگہ سے اس کی ہی تلاش اور جستجو رہتی ہے۔ اسکول میں استادوں سے ۔

---

[۱] Depth Psychology and Education by Prof A V Mathew P. 332. بحوالہ

دفتر میں محکمہ کے لوگوں سے، گھر میں بیوی اور بچوں سے، محلہ میں آس پاس کے پڑوسیوں اور قرابت داروں سے ہر ایک سے وہ یہ چاہتا ہے کہ وہ اس سے محبت کرے۔ اور اگر اس کی یہ توقع پوری نہیں ہوتی تو وہ دوسروں کو اپنا بدخواہ دشمن اور اُس سے بے پروا سمجھنے لگتا ہے بقول ای ویکسبرگ کے (E. Wexburg. اس قسم کے بچے بڑے ہو کر بھی ہمیشہ عہدِ طفولیت کی گمشدہ جنت کے خواب دیکھتے رہتے ہیں اور بچپن میں وہ جس زندگی کے عادی رہے ہیں اسی کو قائم رکھنے کی تمنا اور آرزو کرتے ہیں ڈاکٹر اسٹیکل (Dr. Stekel) لکھتے ہیں" ان بچوں میں پیار کی آرزو اور تمنا کی ایک ایسی تشنگی پیدا ہو جاتی ہے جو کبھی بجھتی ہی نہیں"۔

لڑکیوں کا حال اس معاملہ میں اور بھی بدتر ہوتا ہے کیونکہ جب وہ بیاہی جاتی ہیں تو بچپن میں والدین کی بے پناہ محبت کی عادی ہو جانے کے باعث وہ شوہر کی بیوی نہیں بلکہ محبوبہ بن کر رہنا چاہتی ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ ہر بیوی محبوبہ نہیں ہو سکتی۔ اس بنا پر اُن کے زناشوئی تعلقات بگڑ جاتے ہیں اور دونوں کی زندگی اجیرن بن جاتی ہے"۔[1]

لڑکیوں کے سلسلہ میں ایک اہم بات جو یاد رکھنے کے قابل ہے اور جس کا غالباً ہمارے گھروں میں عام طور پر خیال نہیں رکھا جاتا یہ ہے کہ بہت سے باپ اپنی سادگی اور ناواقفیت کی وجہ سے سات برس سے زیادہ کی عمر کی بچیوں کو بھی پیار کرتے ہیں، ان کا بوسہ لیتے ہیں انھیں چمٹاتے اور بدن سے دباتے ہیں۔ حالانکہ نفسیاتی طور پر یہ نہایت خطرناک اور بیحد مضر فعل ہے۔ کیونکہ ایسا کرنے سے غیر شعوری طور پر بچی میں جنسی حس بیدار ہو جاتی ہے اور پھر بلوغ کے بعد باپ اسے پیار کرنا ترک کر دیتا ہے تو وہ دوسروں سے اس کی متمنی ہوتی ہے کہ وہ اسے پیار کریں۔ اس طرح پہلے اس میں اشتیاق (Anxiety.) پیدا ہوتا ہے اور پھر یہ اشتیاق اپنی تکمیل کی مختلف راہیں پیدا کر لیتا ہے اور اگر گھر کے ماحول اور اخلاقی تعلیمات کے باعث وہ اس اشتیاق کو دبانے کی مصنوعی کوشش کرے تو اس سے مختلف ذہنی اور دماغی الجھنیں اور اعصابی

---

[1] بحوالہ Depth Psychology and Education by Prof. A.V. Mathew. P.54.

بیماریاں رونما ہوجاتی ہیں۔ فرائڈ تو خیر! ہر محبت کا سرچشمہ اور اُس کا اصل محرک جنسی خواہش کو ہی قرار دیتا ہے جس سے اتفاق نہیں کیا جا سکتا۔ تاہم علمائے نفسیات جن میں بعض خواتین بھی شامل ہیں۔ اپنے تجربات کی بنا پر کہتے ہیں کہ متعدد آوارہ اور بدچلن لڑکیوں کے حالات کی تحقیق کی گئی تو معلوم ہوا کہ اس کا اصل سبب اُن کے باپ، بھائی۔ اور دوسرے قریبی رشتہ داروں کی غیر محتاط محبت ہی تھی۔

ظاہر ہے نفسیات کا یہ باریک نکتہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر فیض اثر سے کس طرح اوجھل ہوسکتا تھا۔ چنانچہ آپ نے فرمایا۔

مروا اولادکم بالصلوٰۃ وھم ابناء سبع سنین واضربوھم علیھا وھم ابناء عشر سنین وفرقوا بینھم فی المضاجع (ابوداؤد)

تم اپنی اولاد کو نماز کا حکم کرو جبکہ وہ سات برس کی ہو اور نماز نہ پڑھنے پر مارو جبکہ وہ دس سال کی ہو۔ اور بستروں میں ان کو الگ الگ سلاؤ۔

ہمیں اس جگہ حدیث کے صرف اس آخری ٹکڑہ سے بحث ہے۔ غور کیجئے کس قدر صاف لفظوں میں اس کا حکم ہے کہ دس برس کی عمر کے بعد بچوں کو ایک ہی بستر پر نہیں سونے دینا چاہئے۔ علما نے اس میں کلام کیا ہے کہ آیا یہ حکم مطلق ہے یا مقید۔ یعنی ایک بہن اور بھائی کے لئے تو دس برس کی عمر کے بعد ایک جگہ لیٹنا ممنوع ہے ہی۔ لیکن اگر دو بھائی یا دو بہنیں اس طرح لیٹیں تو اس کا حکم کیا ہے؟ بعض فقہا کے نزدیک یہ جائز ہے۔ لیکن ہمارے خیال میں جب حدیث کے الفاظ میں عموم و اطلاق ہے تو حکم بھی عام اور مطلق ہونا چاہئے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ ایک ہی صنف کے دو افراد کا ایک جگہ لیٹنا شرعاً جائز ہو یا نہ ہو لیکن تہذیب اور شائستگی کے بہرحال خلاف ہے۔ اس بنا پر بچوں کو شروع سے ہی اس کا عادی بنانا چاہئے۔ مذکورۂ بالا حدیث کے علاوہ جہاں تک لڑکیوں کا تعلق ہے ایک اور حدیث خاص طور پر یاد رکھنے کے قابل ہے ارشاد ہے۔

اذا اتی علی الجاریۃ تسع سنین فھی امرأۃ — لڑکی جب نو برس کی ہوجائے تو وہ عورت ہے۔

(کنز العمال ج ۸ ص ۲۷۶)

اس سلسلہ میں غالباً یہ بات دلچسپی سے سنی جائے گی کہ اس غیر محتاط مفرط محبت کو علمائے نفسیات اپنی خاص اصطلاح میں "قابضانہ محبت" (Possessive Love) کہتے ہیں یعنی یہ ایک ایسی محبت ہے جس میں محبوب سے متعلق محب کی ذہنیت وہی ہوتی ہے جو ایک قابض کی اپنے مقبوض کی نسبت ہوتی ہے کہ اس کے سامنے صرف اپنے جذبۂ خواہش کی تسکین ہوتی ہے وہ اس کو پیار کرتا ہے۔ اسے مس کرتا ہے اپنے ذوقِ محبت کی حظ اندوزی کے لئے اس وقت اسے اس کا بالکل خیال نہیں ہوتا کہ محبوب کا بھی اپنا کوئی مفاد ہے اور اس پر اس کی ان محبت پاشیوں کا کیا اثر ہوتا ہے۔

نفسیات میں اس کی تعبیر اس طرح بھی کی جاتی ہے کہ یہ محبت ایک خاص قسم کے ضغطۂ دماغ کی پیداوار ہے جسے (Nasrissus Complex) کہتے ہیں۔ نرسیس یونان کا ایک نہایت خوبصورت نوجوان تھا جو ایکبار دریا میں اپنی شکل دیکھکر خود اپنے اوپر عاشق ہوگیا۔ اس ضغطۂ دماغی کو اس کی طرف منسوب کرنے کی وجہ یہ ہے کہ جو لوگ اپنی اولاد کے ساتھ حد سے زیادہ محبت کرتے ہیں وہ گویا اس وہم میں مبتلا ہیں کہ ان کی اولاد خود ان کی شخصیت کا ایک مظہر ہے۔ اس لئے ایک انسان کو جس قدر خود اپنا نفس اور اپنی شخصیت محبوب ہوتی ہے اتنی ہی محبت وہ اپنی شخصیت کے خارجی مظہر یعنی اپنی اولاد سے کرتے ہیں۔

اب اسلامی تعلیمات کا جائزہ لیجئے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ اسلام بھی قابضانہ اور مالکانہ محبت کی نفی کرتا ہے۔ اولاد کی نسبت اسلام کا تخیل یہ ہے کہ اولاد والدین کے پاس ایک امانتِ الٰہی ہیں اُن کی اپنی ایک مستقل شخصیت ہے اور اس بنا پر جس طرح والدین کے حقوق اولاد کے ذمہ ہیں۔ اسی طرح اولاد کے حقوق بھی والدین کے ذمہ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت زینبؓ کے بچہ کا انتقال ہونے لگا تو زبان وحی ترجمان نے ارشاد فرمایا۔

ان للہ ما اخذ ولہ ما اعطی بے شبہ اللہ کے لئے ہی ہے وہ سب کچھ جو اس نے لے لیا

وکلّ عندہ باجل — اور اس کے لئے ہیں وہ سب کچھ جو اس نے عطا فرمایا

مسمّٰی۔ — اور ہر چیز کے لئے اس کے نزدیک ایک مقررہ مدت ہے۔

پھر خود اپنے صاحبزادہ ابراہیم کی وفات پر آپ نے جو الفاظ کہے وہ بھی انھیں کے قریب قریب ہیں۔ ارشاد ہوا "آنکھ اشکبار ہے اور دل غمگین، لیکن ہم بہرحال وہی کہیں گے جو ہمارے رب کو پسند ہو۔"

یہی وہ اسلامی تخیل ہے جس نے ایک بوڑھے قیدی باپ (مولانا محمد علی مرحوم) کی زبان سے اپنی پیاری بیٹی آمنہ کی خطرناک علالت کی خبر سنتے ہی بے ساختہ یہ شعر ادا کرادیا تھا جو اسی بیمار کو خطاب کرکے کہا گیا تھا۔

تیری صحت ہمیں مطلوب ہے لیکن اُس کو — نہیں منظور تو پھر ہم کو بھی منظور نہیں

پھر یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ والدین سے متعلق یہ سمجھنا شدید غلطی ہے کہ وہ ہمیشہ اولاد سے محبت ہی کرتے ہیں بلکہ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ متعدد وجوہ واسباب سے والدین کو اپنے کسی ایک بچہ سے یا سب بچوں سے نفرت ہوجاتی ہے اور کبھی یہ نفرت اتنی شدید ہوتی ہے کہ غیر شعوری طور پر ماں باپ دونوں یا ان میں سے کوئی ایک بچہ کی موت کی آرزو کرنے لگتا ہے۔ اہلِ مشرق میں تو ایسا خال خال ہی ملے گا۔ مغربی اقوام میں یہ مرض بہت عام ہے۔ کیونکہ مغربی تہذیب نے مادی منفعت اور ذاتی راحت وآرام کو ہر شخص کا مطمح نظر بنادیا ہے۔ فرائڈ نے اس قسم کے رجحان کے لئے ایک خاص اصطلاح (Ambivalence) کی وضع کی ہے۔ ہمارے ہاں اردو میں خون سپید ہوجانے کا ایک محاورہ ہے وہ اسی قسم کے موقع پر بولا جاتا ہے جب کہ باپ کو اولاد کے ساتھ۔ اولاد کو والدین کے ساتھ۔ بہن کو بھائی کے ساتھ وہ محبت نہ ہو جوان میں آپس میں قدرتی رشتہ کی بنا پر طبعی طور پر ہونی چاہئے۔ نفسیات کی کتابوں میں اس Ambivalence کی بڑی دلچسپ اور کثرت سے مثالیں ملتی ہیں لیکن یہاں ہم ذیل میں صرف ایک واقعہ کا ذکر کرتے ہیں۔

مسٹر اے ایس نیل (A. S. Neill) اپنی تصنیف "بچہ کی گتھی" The Problem Child میں لکھتے ہیں "ایک عورت مجھکو بڑے بڑے طویل خطوں میں اپنی بچی کے متعلق ہدایات لکھتی تھی کہ اس کو کس وقت کیا کھانا چاہئے اور کیا نہیں کھانا چاہئے۔ وغیرہ وغیرہ۔ مجھ کو ان خطوط سے شبہ ہوا کہ یہ عورت غیر شعوری طور پر اپنی بیٹی کی موت چاہتی ہے۔ بعد میں مجھ کو اس کی تصدیق بھی ہو گئی اور وہ اس طرح کہ ایک روز یہ عورت مجھ سے ملنے آئی اور باتوں باتوں میں کہنے لگی۔ ڈاکٹر صاحب اگر میری یہ بیٹی زندہ نہ ہوتی تو میں آزاد ہوتی اور جس سے میں محبت کرتی ہوں اس کے ساتھ جا سکتی تھی" موصوف اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ "اصل بات یہ ہے۔ ماں غیر شعوری طور پر بچی کی موت چاہتی تھی۔ اس کے باوجود وہ اس کی تندرستی سے متعلق جو تشویش اور غیر معمولی فکر و تردد کا اظہار کرتی تھی تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اس طرح اپنی غیر شعوری خواہش کا از اندازِ ضرورت بدل . . . . . (Over-Compensation) کرنا چاہتی تھی۔

والدین کی محبت اور اسلامی تعلیمات

مذکورہ بالا سطور سے یہ اندازہ ہوگا کہ والدین کو اولاد سے جو تعلق ہوتا ہے اس میں نفسیاتی طور پر کس قدر الجھنیں اور پیچیدگیاں ہیں اور یہ صاف ظاہر ہے کہ ان الجھنوں کے صحیح حل پر ہی بچوں کی اور اس طرح گویا پوری نسل کی فلاح و بہبود اور ان کو صحیح معنی میں "انسان" بنانے کا دارومدار ہے۔ علمائے نفسیات نے سالہا سال کے تجربات و تحقیقات کے بعد فطرتِ انسانی کی خام کاریوں کا سراغ لگایا اور ان کو دور کرنے کے لئے کامیاب حل کی جستجو کی۔ آپ کو گذشتہ بیانات سے ان کا ایک اجمالی خاکہ معلوم ہو چکا۔ اب ذرا یہ بھی سن لیجئے کہ اسلام نے کس طرح انسانی فطرت کی ان کمزوریوں کو پہلے ہی بھانپ لیا اور ان کا حل بتا دیا تھا۔ ماہرینِ نفسیات نے جو بات سالہا سال کی تحقیق و تفتیش کے بعد ضخیم ضخیم مجلدات میں کہی ہے۔ نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم نے چند فقروں میں ہی اس حقیقت کو آشکارا کر دیا اور زیادہ بہتر، محکم تر، اور قطعی تر طریقہ پر۔

اس سلسلہ میں سب سے پہلے اس رجحانِ سرد مہری یا جذبۂ تنفر کو لیجئے جو والدین کے دل میں سب اولاد یا کسی ایک کی نسبت ہوتا ہے اور جیسا کہ ابھی مذکور ہوا۔ فرائڈ اس کو Ambivalence کہتا ہے۔ اولاد سے متعلق بیزاری کا یہ جذبہ زیادہ تر اس لئے ہوتا ہے کہ ماں باپ معاشی اعتبار سے تنگدست ہوتے ہیں۔ انھیں یہ ڈر ہوتا ہے کہ خود ہم دونوں میاں بیوی کی ہی گذر تنگی ترشی سے ہوتی ہے۔ اولاد ہوگی تو اور بھی مشکل ہو جائے گی۔ یا اس بیزاری کا سبب یہ ہوتا ہے کہ بالفعل تو انھیں اولاد کے ہونے سے کوئی دشواری اور تنگدستی پیش آنے کا اندیشہ نہیں ہے۔ البتہ مستقبل کے بارہ میں ان کو یہ اندیشہ ضرور ہے کہ اگر اولاد یونہی بڑھتی رہی تو پھر ان کے ذرائع معاش کفالت نہیں کر سکیں گے۔ قرآن مجید میں ان دونوں اسباب کی طرف الگ الگ اشارہ فرما کر اولاد سے متعلق بیزاری کا جذبہ رکھنے کی صاف ممانعت کی گئی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

ولا تقتلوا اولادکم من املاق — تم اپنی اولاد کو تنگدستی کے ڈر سے قتل مت کرو۔

نحن نرزقکم وایاھم — ہم ان کو اور تم کو دونوں کو رزق دیتے ہیں۔

یہ آیت جو سورۂ انعام کی ہے اس میں لفظ "من املاق" کا ہے جس سے مراد یہ ہے کہ افلاس بالفعل ہے اور موجود ہے۔ پھر یہی آیت بنی اسرائیل میں آئی ہے مگر وہاں لفظ "خشیۃ املاق" ہے۔ اس لفظ خشیہ سے اشارہ اس طرف ہے کہ تنگدستی بالفعل نہیں ہے۔ البتہ اولاد کی پیداوار کے بڑھتے رہنے سے اندیشہ ہے کہ آئندہ حالات پریشان کن ہو جائیں تو قرآن نے اس سے بھی منع فرما دیا ہے۔

اولاد کے معاملہ میں سب سے زیادہ بدقسمت ہمیشہ بیٹیاں رہی ہیں۔ عہد جاہلیت میں اونچی ناک والے عرب تو ان غریبوں کو زندہ درگور ہی کر دیا کرتے تھے جس پر قرآن مجید نے انھیں یہ کہہ کر للکارا۔

واذ المؤدۃ سئلت بای — اور جبکہ زندہ درگور کی ہوئی بچی سے پوچھا جائیگا

ذنب قتلت۔ — کہ اُسے کس گناہ کی پاداش میں قتل کیا گیا تھا۔

اگرچہ عرصہ دراز ہوا یہ انسانیت سوز رسم مٹ گئی لیکن واقعہ یہ ہے کہ تہذیب و تمدن کے اس جگمگاتے

دور میں بھی بیٹوں کی نسبت عام انسانی ذہنیت مکمل طور پر درست نہیں ہوئی ہے۔ آج بھی اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم یافتہ گھرانوں میں یہ بات پائی جاتی ہے کہ لڑکی کے پیدا ہونے پر اتنی خوشیاں نہیں منائی جاتیں جتنی کہ لڑکے کی پیدائش پر منائی جاتی ہیں۔ عام بول چال میں لڑکی ہوتی ہے تو باپ سے ازراہِ ہمدردی اس کے دوست احباب یہی کہتے ہیں کہ "آہ! غریب پر ڈگری ہوگئی" چونکہ یہ حد درجہ افسوسناک ذہنیت انسانی دماغوں میں بری طرح جڑ پکڑ چکی تھی۔ اس لئے قرآن نے اس پر خاص طور سے متنبہ کیا۔ دیکھئے! کس عجیب و غریب اور انتہائی بلیغ و موثر انداز میں ارشاد ہوتا ہے۔

واذا بُشّر احدهم بالانثیٰ ظلّ	ان میں سے کسی ایک کو بیٹی کی پیدائش کی خوشخبری
وجهه مسودًا وهو کظیم ہ	دی جاتی ہے تو اس کا چہرہ فوراً کالا پڑ جاتا ہے اور وہ
یتوارٰی من القوم من سوء ما بشّر به	جی ہی جی میں گھٹنے لگتا ہے اب وہ اس بری خوشخبری کی
ایمسکه علیٰ هون ام یدسّه	وجہ سے لوگوں سے منہ چھپاتا پھرتا ہے وہ نہیں جانتا کہ اس
فی التراب الا ساء ما یحکمون۔	مولود کو ذلیل ہوتے ہوئے زندہ رہنے دے یا اُسے مٹی میں
	داب دے۔ سنو! کتنا بُرا ہے یہ فیصلہ۔

غور کرنا چاہئے اس آیت میں کس بلاغت کے ساتھ ان لوگوں کی مذمت کی گئی ہے جو اولاد کے معاملہ میں بیٹا اور بیٹی میں تفریق کرتے ہیں اور بیٹی کے پیدا ہونے پر احساسِ کمتری کا شکار ہو جاتے ہیں۔ [1]

(باقی آئندہ)

---

[1] اس موقع پر مجھے اپنی مرحومہ چھوٹی بہن کا جو نہایت ذہین اور قابل تھی ایک واقعہ یاد آیا۔ ایک روز اسلام میں عورتوں کے مرتبہ و حیثیت پر گفتگو کے دوران میں کہنے لگی "بھائی! کفارِ عرب فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے جب خدا نے ان کی تردید کی تو ان لوگوں کو خطاب کرکے فرمایا "تم اپنے لئے تو بیٹے رکھتے ہو اور خدا کیلئے بیٹیاں یہ کیسا حکم کرتے ہو" مرحومہ نے اس کو نقل کرکے کہا اس سے تو صاف یہ معلوم ہوتا ہے کہ بیٹیاں اللہ میاں کے نزدیک بھی بیٹوں سے فروتر ہیں" میں نے جواب دیا "اسلام میں عورت مرد کی بہ نسبت صنفِ ضعیف و کمزور ضرور ہے لیکن فروتر بالکل نہیں ہے اور اس کا ضعیف ہونا ایک ایسی حقیقت ہے جس کو آج کل کے تمام ماہرینِ طبیعات و عضویات اور تمام ڈاکٹر تسلیم کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے قرآن میں مردوں کو "قوامون علی النساء" کہا گیا ہے یعنی عورتوں کے دیدبان و نگران" اب رہی آیت زیرِ بحث تو اس میں خدا نے اُن لوگوں کے دل کے کھوٹ کا پردہ چاک کیا ہے جو فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں بتلاتے تھے۔ منشا یہ ہے کہ بیٹیاں تو تمہارے خیال میں بیٹوں سے کمتر اور فروتر ہوتی ہیں پھر یہ کیا بات ہے کہ اچھی چیز تو اپنے لئے ثابت کرتے ہو اور کم درجہ کی چیز کا انتساب خدا کی طرف کرتے ہو۔ ورنہ ظاہر ہے قرآن میں متعدد مواقع پر فرمایا گیا ہے کہ "اللہ کے لئے نہ بیٹے اور بیٹیاں تم نے گھڑ رکھی ہیں۔ اس کی ذات مستجمع الصفات تو ان تمام چیزوں سے بلند و بالا ہے۔"